Fikr-o-Nasar (Islamabad) 21:2 (1983)

اسلامی ریاست عصر حاضر میں

(۱)

محمود احمد غازی

یہ مقالہ آج سے چند سال قبل انگریزی میں لکھا گیا تھا۔ اس میں جن خیالات اور آراء کا اظہار کیا گیا ہے وہ نہ تو حتمی ہیں اور نہ ان کی حیثیت کسی فتویٰ کی سمجھی جائے اس لئے کہ مقالہ نگار کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ وہ کسی شرعی مسئلہ پر کوئی حتمی رائے دے سکے۔ مقالہ کا مقصد بعض اہم مسائل پر اسلامی لٹریچر سے ضروری مواد جمع کر کے قارئین کرام کے سامنے پیش کرنا ہے۔
(مقالہ نگار)

اسلام کے نظام سیاست پر عمومی بحث

مناسب ہوگا کہ ہم اس امر کی طرف ابتدا ہی میں اشارہ کر دیں کہ اسلام کا بنیادی اور اولین مطمع نظر جس کا وہ داعی ہے ایک امت مسلمہ کا قیام ہے یعنی ایک ایسی مثالی مسلم برادری جو زمین پر خالق کائنات کی حقیقی خلافت کی علم بردار، اللہ کے عطا کردہ دین حق اسلام کی مشعل بردار اور انسانیت پر حق کی گواہ ہو۔ ایسی امت کے قیام اور آغاز کا اعلان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔

وکذلک جعلنکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً

(اور ہم نے تم کو ایک ایسی امت بنایا جو (ہر پہلو سے) اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں کے مقابلے میں گواہ ہو اور

تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں)[1]

ایک اور موقع پر قرآن خبر دیتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تعمیر کعبہ میں مصروف تھے تو انہوں نے درج ذیل الفاظ میں اللہ سے دعا کی۔

ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔[2]

(اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی امت پیدا کیجئے جو آپ کی مطیع ہو اور نیز ہم کو ہمارے مناسک واحکام بھی بتلا دیجئے اور ہمارے حال پر توجہ رکھیے اور فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے مہربانی کرنے والے ہیں)

یہ بات انتہائی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان دو نامور پیغمبروں نے ایک امت کے قیام کی خواہش ظاہر کی۔کسی ریاست کے قیام کی نہیں۔

ایک دوسرے مقام پر قرآن مجید تاکیدی انداز میں حکم دیتا ہے کہ تم میں ایک ایسی امت (جماعت) موجود رہنی چاہیئے جو لوگوں کو نیک کام کی طرف بلاتی ہے۔ اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور برائی سے منع کرتی رہے۔[3]

قرآن مجید میں امت کا لفظ تقریباً ساٹھ مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔اور بیشتر مقامات پر ایک ایسی برادری کے معنوں میں جن کے اعتقادات اور زندگی کے طور طریقے ایک جیسے ہوں ۔ قرآن مجید میں ان امتوں کا ذکر بھی بار بار کیا گیا ہے جو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے دیگر انبیاء نے قائم کیں۔[4]

قرآن یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ ماضی کی ہر امت کا ایک نبی ہوتا تھا۔[5]

قرآن مجید کے مطابق موجودہ امت مسلمہ ایک اکائی ہے جسے مختلف امتوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔[6]

محولہ بالا آیات سے یہ امر بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام کا بنیادی اجتماعی مطمع نظر امت مسلمہ کی تشکیل ہے نہ کہ ریاست کا قیام۔ ریاست کا قیام صرف اس لئے ضروری ہے کہ امت کی وحدت کا تحفظ ہوسکے اور اس کی اجتماعی ذمہ داریاں عمدگی سے پوری ہوسکیں۔ امت بذات خود مقصد ہے جبکہ ریاست محض اس کی حفاظت اور بقا کا ذریعہ ہے۔ قرآن ریاست اور سیاسی نظم کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن وہ اس کی تشکیل کے لئے کوئی واضح حکم نہیں دیتا۔ وہ صرف ایسے عام اصول اور معیار بیان کرتا ہے جن کے مطابق اسلامی ریاست کا نظم ونسق چلنا چاہیئے۔ لہٰذا اسلامی ریاست کے قیام کی اہمیت ثانوی ہے اور تشکیل امت کی اہمیت اولین ہے۔ اسلامی ریاست کا قیام صرف اس لئے ایک مذہبی فریضہ ہے کہ قرآن وسنت نے امت پر جو اجتماعی ذمہ داریاں عائد کی ہیں انہیں پورا کرنے کا اولین ذریعہ ریاست ہے۔ اسلامی فقہ کا ایک حکیمانہ قانونی اصول ہے کہ۔ مالایتم الواجب الا بہ فھو واجب یعنی جو چیز کسی دینی فریضہ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہو وہ بھی دینی فریضہ ہی کے حکم میں ہے۔

اسلامی ریاست کا قیام ایک اخلاقی ضرورت بھی ہے کیونکہ اس کے بنیادی مقاصد میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ امت کی اخلاقی اور تہذیبی قدروں کے تحفظ اور بقا کے لئے اقدامات کرے۔ امت مسلمہ کا اخلاقی معیار بلند رکھنے کے لئے اسلام نے احتساب کا جو ادارہ قائم کیا ہے وہ انسانیت کی معاشرتی تاریخ میں واحد اور بے مثال جدت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی ریاست ایک معاشرتی تقاضا بھی ہے کیونکہ صرف یہی ایک تنظیم ہے جس کے ذریعے امت اپنے مقاصد وجود کو حاصل کرسکتی ہے۔ امت (یعنی اسلامی معاشرہ) اور خلافت۔ (یعنی اسلامی ریاست) دونوں ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں۔ امت کے بغیر خلافت کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور خلافت کی عدم موجودگی میں کوئی ایسی مادی اور خارجی قوت باقی نہیں رہتی جو امت کی سالمیت کی ضمانت دے سکے۔

اسلامی ریاست کی یہی وہ کثیر جہتی اہمیت ہے جس کے پیش نظر مسلم فقہا، سیاسی مفکرین، مفسرین، شارحین

حدیث فلاسفہ اور متکلمین کی اکثریت اس خیال کی حامی ہے کہ اسلامی ریاست کا قیام ایک ایسا مذہبی فریضہ ہے جو مجموعی طور پر تمام مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے۔

اسلامی ریاست کی سالمیت اور یک جہتی کا تحفظ مسلمانوں کی اولین ذمہ داری ہے۔ اس ضمن میں مسلمان فقہا اور سیاسی مفکرین نے نہایت نفیس بحثیں کی ہیں۔

اسلام کے سیاسی نظام کو اچھی طرح اور صحیح طور پر سمجھنے اور اس کا تنقیدی جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم مختصر طور پر یہ دیکھیں کہ اسلامی نظریئے کی عمومی نوعیت کیا ہے اور قرآن نے جو کائناتی فلسفہ پیش کیا ہے وہ کیا ہے۔ اسلام کا سیاسی فکر اپنی مضبوط عقلی بنیادیں رکھتا ہے اور اسلام کے مجموعی فلسفے کی بنیاد پر ہی اس کی عمارت ظہور پذیر ہوئی ہے۔ دنیا اور دنیاوی زندگی کے متعلق اسلام کے نقطہ نظر سے آگاہی حاصل کئے بغیر یہ بہت مشکل ہے کہ اسلام کے تصور ریاست و حاکمیت اور متعلقہ مسائل کے بارے میں کوئی صحیح معقول اور افراط و تفریط سے پاک رائے قائم کی جائے۔

بنیادی اور سب سے زیادہ اہم چیز جو کائنات کے بارے میں اسلام کے نقطہ نظر کو دیگر تمام نظام ہائے فکر و خیال سے ممیز کرتی ہے وہ اسلام کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ کائنات خود بخود وجود میں نہیں آگئی بلکہ یہ خالق کائنات کی ایک ایسی سوچی سمجھی تخلیق ہے جس کا نقشہ پہلے سے تیار کر لیا گیا تھا۔

قرآن مجید بار بار غیر مبہم الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ دنیا کوئی ایسا متروک مقام نہیں جس کا مالک اس سے غافل ہو اور جہاں ہر شخص کو کھلا اور غیر محدود اختیار حاصل ہو کہ وہ جو چاہے کرے بلکہ اس کے برعکس یہ ایک ایسا دار الامتحان اور مقام آزمائش ہے جس کا نقشہ بڑی احتیاط اور سوچ و بچار کے بعد تیار کیا گیا تھا اللہ تعالیٰ جو اس کائنات کی آخری سب سے بڑی حقیقت ہے وہی اس کی واحد خالق ہے اور وہی اس کو زندہ و قائم رکھنے والی ہے لہٰذا وہی ذات اس کائنات کی سب سے بڑی حاکم بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ کائنات میں جتنی چیزیں موجود ہیں ان کا ابتدائی مصدر و مخرج اس کی ذات

پاک ہے۔ یہ وہی ہے جس نے تخلیق کے عمل کا آغاز کیا اور جس طرح چاہتا ہے اپنی تخلیق میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ لیکن وہ ایک کے بعد دوسری چیز یونہی کار کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کرتا بلکہ اس نے تمام چیزیں ایک واضح مقصد کے تحت ایک اچھی طرح سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ایک طے شدہ مدت کے لئے پیدا کی ہیں۔ وہ واحد ہے بذات خود قائم رہنے والا ہے۔ ہر چیز میں نفوذ کرنے والا ہے۔ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور حقیقت مطلقہ ہے۔ وہ اپنی مخلوق کا واحد حفاظت کرنے والا ہے۔ وہ ہر طرح کی قوت رکھنے والا ہے۔ سب کچھ جاننے والا اور بے حد انصاف کرنے والا ہے۔ چونکہ وہ حکیم مطلق بلکہ تمام عقل و حکمت کا حقیقی منبع ہے اس کا کوئی فعل دانشمندی، حکمت اور خیر سے خالی نہیں تمام اختیارات اور مطلق اقتدار کا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہونا اس کے حکیم مطلق ہونے کا منطقی نتیجہ ہے، اور چونکہ اقتدار اعلیٰ اپنی تمام صورتوں میں اور کلی طور پر صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اس لئے کائنات کے انتظام و انصرام میں ایک اچھی طرح کا کلیت پسندانہ نظام پایا جاتا ہے۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں اور کوئی شخص یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ اللہ سے پوچھے کہ وہ کیا کرتا ہے اور کیوں کرتا ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جو ہر ایک سے اس کے افعال و اقوال کے بارے میں جواب طلبی کرتی ہے۔ قرآن و حدیث کا بیان ہے کہ تخلیق کائنات سے پہلے صرف ذات باری تعالیٰ کا وجود قائم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اسے پہچانا جائے اور اس کی ذات باری اور صفات کا اظہار ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے اس تخلیق کائنات کا منصوبہ بنایا گیا تاکہ مخلوقات کی گوناگونی اور کثرت میں اس کی وحدانیت آشکار ہو۔ سب سے پہلے اس نے پانی پیدا کیا اور پھر پانی سے تمام ذی روح اشیاء پیدا کیں[8]۔ سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ وہ اپنا خلیفہ پیدا کرے۔ جس کے ذمہ یہ فریضہ ہو کہ وہ اپنے خالق کی تمام صفات میں اس کی نمائندگی کا مشکل کام انجام دے اور زمین پر اس کے احکام بجا لائے[9]۔ انسان کو اتنے معزز مقام پر فائز کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ آزمائش کرنا تھا کہ ہم میں سے کون بہترین اعمال بجا لاتا ہے[10]۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت کا یہ منصب آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا لیکن انہوں نے اس خوف کے باعث یہ ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ اس اہم اور مشکل فریضہ کو پورا کرنے سے قاصر رہیں گے۔"[۱۱]

اس طرح انسان یعنی زمین پر اللہ تعالیٰ قادر مطلق کے خلیفہ کے ظہور کے لئے تمام ضروری ابتدائی اور ماحولی انتظامات کے بعد اللہ تعالیٰ نے اولین فرد انسانی کو پیدا کیا جسے آدم کا نام دیا گیا۔ قرآن کریم اس امر کو بالکل واضح کر دیتا ہے کہ پہلا فرد انسانی جو تاریخ کے سٹیج پر ظاہر ہوا۔ دنیاوی زندگی میں اپنے مستقبل کے حسن سے پوری طرح آگاہ تھا۔ وہ تمام ذہنی جسمانی اور نفسی صلاحیتوں سے آراستہ اور انسان کی بنیادی ثقافتی اور تہذیبی ضرورتوں سے پوری طرح آگاہ تھا۔ اسے اچھی زندگی گزارنے کے لازمی اصول سکھا دیئے گئے تھے اور یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ فطری اور بین الانسانی اخلاق و تہذیب کے بنیادی لوازم کیا ہیں۔[۱۲]

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے انسان کو جو مقام عطا کیا ہے وہ خالق کائنات کے بعد سب سے اونچا مقام ہے۔ انسان تمام موجودات کا محور ہے۔ چونکہ انسان کو اپنا حقیقی مقصد یعنی الٰہی صفات سے آراستگی (تخلقوا باخلاق اللہ) حاصل کرنا ہے اس لئے اس کی تخلیق بہترین قالب اور بہترین صورت میں ہوئی لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم

انسان کو یہ طاقت بھی بخشی گئی کہ وہ اپنے گرد و پیش میں موجود فطرت کی قوتوں کو اپنے اغراض و مقاصد کے مطابق شکل و صورت میں ڈھالے۔ (دیکھئے آیات قرآنی متعلقہ تسخیر کائنات) خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک محدود پیمانے پر اپنی تمام صفات سے آراستہ کیا۔ اس کا ڈھانچہ اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اس میں اپنی روح پھونکی۔ اس کو تمام اشیاء کے نام بتلائے۔ یعنی ان کی فطرت سے آگاہ کیا۔ اس نے آسمانوں زمین سیاروں اور فطرت کی دیگر قوتوں کو انسان کا خدمت گار بنایا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ انسان کے حضور سجدہ ریز ہوں تاکہ اول تو فرشتوں پر انسان کی برتری کا اظہار

ہی اور دوسرے فرشتے یہ جان لیں کہ خلافت کے منصب پہ انسان کے تقرر ہی کا یہ تقاضا ہے کہ پوری کائنات انسان کو تمام ممکنہ ماحولی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے تیار رہے تاکہ انسان زمین پہ اللہ کے نائب کی حیثیت سے اپنے تمام فرائض اور ذمہ داریاں بحسن و خوبی انجام دے سکے۔

خلافت کے منصب پہ انسان کے تقرر سے مندرجہ ذیل منطقی نتائج خود بخود ہمارے سامنے آتے ہیں

۱۔ اس تقرر کا پہلا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے دوسرے ہم جنسوں کی محکومی سے قطعاً آزاد ہونا چاہیئے۔ اسے صرف اپنے مالک اور خالق کے ان احکام کا پابند ہونا چاہیئے جو اس تک بذریعہ انبیاء پہنچیں جن پہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سب سے آخری اور قطعی احکام قرآن مجید میں دیئے گئے ہیں جو آخری الہامی کتاب ہے اور اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور فعلی سنت میں ان کی عملی تشریح موجود ہے

۲۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اقتدار و اختیار کو اپنے دوسرے ہم جنسوں کو اپنے خالق کا سچا اور وفادار بندہ بنائے رکھنے کے لئے استعمال کرے اور کبھی اپنے آپ کو ان کے آقا کے مقام پہ فائز کرنے کی کوشش نہ کرے۔ قرآن مجید اس اقتدار کو ایک مقدس امانت تصور کرتا ہے۔ جسے فطری طور پہ امانت ہی کی طرح استعمال کیا جانا چاہیئے۔ یہ بہت بڑی بے وفائی۔ بددیانتی اور تصرف ناجائز ہے کہ آدمی ان اختیارات کے استعمال میں اللہ تعالیٰ کے قوانین کو توڑنے اور اس کی عائد کردہ حدود و قیود سے تجاوز کرے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قوتیں اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ انہیں ان ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی پورا کرنے میں صرف ہونا چاہیئے جو بحیثیت خلیفۃ اللہ انسان پہ عائد ہوتی ہیں۔ ان کو عیش پسندانہ سرگرمیوں اور رنگ رلیاں منانے میں صرف نہیں ہونا چاہیئے۔ اسلام ایسے تمام فلسفوں کو رد کرتا ہے جن میں اعلیٰ سماجی اخلاقی اور روحانی قدروں کے لئے کوئی گنجائش نہیں کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں

جو انسان کو دیگر حیوانات سے ممتاز کرتی ہیں۔

۴۔ چونکہ ہر فرد بالقوۃ اپنے خالق کا نائب ہے اس لئے وہ تنہا اپنے تمام اچھے برے افعال کے لئے ذمہ دار اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے اور اسے ہونا چاہیئے۔ لہذا فطری گناہ کا مسیحی تصور اسلام کی روح سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔

اسلامی ریاست۔ خلافت

اسلامی نصب العین کو روبہ عمل لانے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو جسمانی اور روحانی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں انہیں کام میں لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو خصوصی اختیارات اور اقتدار سے نوازا ہے تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی حدود کے اندر رہتے ہوئے استعمال کیا جائے۔ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں پر حکومت کرے مگر اس اختیار کے تحت جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا ہے۔ خود ساختہ حکمران جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیار حکمرانی کے بغیر حکومت کرتے ہیں قرآن مجید انہیں طاغوت کے نام سے یاد کرتا ہے۔ قرآن مجید بار بار اس حکم (اختیار حکمرانی) کا حوالہ دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبروں کو عطا فرمایا۔ جب کوئی پیغمبر وفات پا جاتا ہے تو یہ حکم (حکومت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا خصوصی اختیار) خود بخود اس کے پیروکاروں (اہل ایمان کی برادری یا امت بحیثیت مجموعی) کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اس طرح امت الٰہی اختیار کی امین بن جاتی ہے۔ جو اسے امت مسلمہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ امت مسلمہ کو براہ راست اپنی ذات میں کوئی اختیار حکومت حاصل نہیں۔ اس کو جو کچھ اختیار حاصل ہے وہ رسول خدا کی جانشینی کی وجہ سے حاصل ہے۔ پچھلی اقوام میں بعض اوقات ایک نبی کے بعد دوسرا نبی اس کا جانشین بنتا تھا اور امت اس جانشینی سے محروم رہتی تھی اور بعض اوقات نبی کے بجائے امت ہی کو یہ منصب عطا کر دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ کوئی نبی آنے والا نہ تھا۔ اسی لئے جب آپ کا وصال

ہوا تو امت مسلمہ خود بخود اس الٰہی اختیار کی وارث بن گئی جو اصلاً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد امت کے تمام نمائندوں نے سب سے پہلے جس کام کو مقدم سمجھا وہ یہ تھا کہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ جو امت کے اس اجتماعی اختیار کی علامت ہو۔ کیونکہ پوری امت نہ تو براہ راست اس اختیار کو استعمال کر سکتی ہے نہ اس کے تمام تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ یہ ضروری تھا کہ امت کا ایک رہنما منتخب ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور امت مسلمہ کے وکیل کے فرائض انجام دے۔ امت کے اس منتخب رہنما کو خلیفہ کہا جاتا ہے یعنی امت کی عملی نیابت کا نشان اور اجتماعی الٰہی اختیار کا سب سے بڑا تعمیل کنندہ گویا اس کی حیثیت حقیقی اور اصلی، خلفاء یعنی ارکان امت کے نمائندے کی ہے۔ یہ حقیقت کہ منصب خلافت کی حامل پوری امت ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات سے واضح ہوتی ہے۔ ہم اس سلسلے کی چند آیات یہاں نقل کرتے ہیں :

هو الذی جعلکم خلائف فی الارض ۔

وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا

ثم جعلنکم خلائف فی الارض من بعدهم لننظر کیف تعملون [۱۳]

پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تاکہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔

ان آیات سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ حقیقی خلافت کی خلعت پوری امت کو پہنائی گئی ہے اور امام یا سربراہ مملکت کی حیثیت اس اختیار حکمرانی کے امین کی ہے وہ اپنے فرائض ان لوگوں کی طرف سے انجام دیتا ہے جنہوں نے اسے یہ اختیار تفویض کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ نہ صرف اللہ تعالیٰ بلکہ مسلمانوں اور اسلامی ریاست کے شہریوں کے سامنے بھی جوابدہ ہے۔ اس کی حیثیت امت کے عمومی کارندے کی ہے۔ یہاں یہ بات غور کے قابل ہے کہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ اللہ کا لقب اختیار

کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ غالباً اس لئے کہ خلیفۃ اللہ کا منصب تو ہر مسلمان فرد کو یکساں طور پر حاصل ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے بجائے خلیفہ رسول اللہ کا لقب پسند فرمایا۔ بعد کے خلفاء خصوصاً عثمانیوں نے خلیفۃ المسلمین کا لقب بھی استعمال کیا۔ اس لئے ایک اسلامی ریاست کا سربراہ ایک حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہے اور دوسری حیثیت سے پوری امت مسلمہ کا نمائندہ مجاز بھی ہے۔

خلافت یعنی اسلامی ریاست کی تعریف

خلافت کے موضوع پر لکھنے والے مصنفین نے اس کی متعدد تعریفیں پیش کی ہیں۔ ہم یہاں حضرت شاہ ولی اللہ کی بیان کردہ تعریف سپرد قلم کرتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی رائے ہے کہ اسلامی ریاست سے مراد وہ۔

"عمومی اختیار حکمرانی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تاکہ علوم دینی کے احیاء کے ذریعہ اقامت دین کا فریضہ پورا ہو ارکان اسلام قائم ہوں جہاد ہو اور اس سے متعلقہ امور مثلاً لشکروں کی تربیت و تنظیم سپاہیوں میں ان کی تنخواہوں وغیرہ کی تقسیم اور فوجوں کے لئے ضروری رقموں کی تخصیص کا انتظام و انصرام ہو۔ عدل و انصاف قائم ہو حدود اللہ جاری ہوں۔ ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہو جائے لوگوں کو نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے روکا جائے" شاہ صاحب کے اصل الفاظ یہ ہیں :

هي الرياسة العامة في التصدي لاقامة الدين باحياء العلوم الدينية واقامة اركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة واعطاءهم من الفئ والقيام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم[١٤]

ایک دوسری تعریف نسبتاً بعد کے اور ہمارے زمانے سے قریبی تعلق رکھنے والے عالم کی بیان کردہ ہے

لیکن اس کی بنیاد بھی کلاسیکی تعریفوں پر رکھی گئی ہے۔ ان کی رائے ہے۔

(خلافت) وہ ریاستی اقتدار ہے جسے زندگی کے جسمانی اور روحانی معاملات کے انتظام و انصرام کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے امت میں خلیفہ کی وہی حیثیت ہے جو مسلمانوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ خلیفہ مسلمانوں کا عمومی سرپرست ہوتا ہے چنانچہ انہیں اس کی مکمل اطاعت کرنی چاہیئے۔ اس کے بدلے میں خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے تمام معاملات کی دیکھ بھال کرے۔ اسلامی قوانین نافذ کرے اور ان کے تمام دنیاوی مسئلے حل کرے امت کے معاملات کی باگ ڈور صرف اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ تمام مقامی یا تحتی اقتدار یا سرپرستی صرف اسی سے اخذ کی جاتی ہے۔ تمام مذہبی پروگرام اسی کے منصب سے صادر ہوتے ہیں۔ اس طرح خلیفہ امت کا دنیاوی اور روحانی حکمران ہوتا ہے[۱۵]۔

اسلامی ریاست کے بنیادی اصول۔

سب سے پہلا اور سب سے بنیادی اصول جیسا کہ لفظ خلافت۔ نیابت سے مفہوم ہوتا ہے اور جیسا کہ قرآن مجید میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ اسلامی ریاست کوئی مطلقاً خود مختار ادارہ نہیں، اس کا اصلی خود مختار حاکم خالق کائنات ہے۔ جو کائنات کے خالق اور رب کی حیثیت سے حاکم مطلق ہونے کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔

دوسرا اصول جو اسی اصطلاح سے نکلتا ہے امت مسلمہ کی عمومی نیابت کا اصول ہے۔ چونکہ امت مسلمہ کے تمام ارکان اپنے اپنے انفرادی استحقاق کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں اس لئے اسلامی ریاست میں مذہبی پروہتوں یا مراعات یافتہ چیدہ افراد کا کوئی طبقہ ظہور پذیر نہیں ہو سکتا امت مسلمہ مجموعی طور پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشین ہونے کی حیثیت سے دنیا پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق حکومت کرنے کے لئے خدائی اقتدار کی حامل ہے۔ یہ چیز اسلامی ریاست کو حقیقی معنوں میں ایک جمہوری ملک بنا دیتی ہے جو ان تمام خامیوں

اور نقائص سے پاک ہوتا ہے جو دیگر جمہوری نظاموں میں معمول کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ اولی الامر مسلمانوں میں سے ہونے چاہئیں۔ امر اور حکم بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ امت کو صرف یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ اس کی نائب اور رسول اللہ کی جانشین ہونے کی حیثیت سے اللہ کے تفویض کردہ اقتدار کو استعمال کرے۔ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے وہ امت مسلمہ کے دائرے سے باہر ہیں۔ لہذا امر یا حکم کو استعمال کرنے کے خدائی حق سے محروم ہیں۔ وہ لوگ طاغوت ہیں۔ کسی مسلمان کو ان سے تعلق نہ رکھنا چاہیئے۔

اولی الامر کو نہ صرف یہ کہ مسلمان بلکہ امت کے بہترین افراد میں سے ہونا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"جب تک تمہارے رہنما وہ لوگ ہوں جو تم میں بہترین ہوں تمہارے دولت مند فیاض ہوں اور جب تک تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے رہیں اس وقت تک زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے پیٹ سے بہتر ہے۔ اور جب تمہارے رہنما ایسے لوگ بن جائیں جو تم میں سب سے زیادہ برے ہوں اور تمہارے امیر لوگ بخیل اور لالچی ہو جائیں اور تمہارے معاملات عورتوں کے ہاتھ میں پہنچ جائیں۔ اس وقت زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہے" (الجامع الاحکام القرآن للقرطبی جلد ۱ صفحہ ۳۰۸)

چوتھا اصول یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں سرکاری احکام ملکی قوانین اور قواعد و ضوابط کی اطاعت اور پابندی مطلق طور پر بہر صورت واجب نہیں۔ بلکہ ہمیشہ مشروط اور محدود ہوتی ہے۔ صرف ایسے قوانین اور احکامات کی پابندی واجب ہوتی ہے جو شریعت کے مطابق ہوں۔ اگر کوئی قانونی حکم یا قاعدہ شریعت اسلامی کے خلاف ہو تو نہ صرف یہ کہ اس کی پابندی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اسے مسترد کر دینا ہر شہری کا فرض ہے۔ قرآن مجید میں اس مضمون کی متعدد آیات کے علاوہ بہت سی احادیث بھی ہمارے سامنے ہیں جن میں سے چند ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ ولا یعصینک فی معروف (۹-۱۲)

اور معروف باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گے۔

۲۔ انما الطاعۃ فی المعروف (حدیث نبوی)

بے شک اطاعت صرف معروف اور مسلمہ امور کی کی جاتی ہے

۳۔ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق (حدیث نبوی)

خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں

۴۔ لاطاعۃ فی معصیۃ (حدیث نبوی)

معصیت میں اطاعت نہیں۔

اس مضمون کی احادیث بے شمار ہیں جنہیں کبار صحابہؓ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبادہؓ بن الصامت، ام سلمہؓ، عوف بن مالک اور اوس بن مالک رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ اور ان کو بخاری، مسلم ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد ابن حنبل اور بہت سے دیگر جلیل القدر محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ ان احادیث کا عمومی مفہوم تواتر کے اعلیٰ درجے تک پہنچتا ہے۔

انسانی مساوات اسلامی ریاست کا پانچواں بنیادی اصول ہے۔ قانون کی نظر میں تمام انسان بشمول خلیفہ برابر ہیں چونکہ ہر شخص انفرادی طور پر خلیفہ ہے جس نے اپنا اقتدار و اختیار سربراہ ریاست کو سونپ دیا ہے اس لئے تمام لوگوں کو ہر نقطہ نظر سے برابر ہونا چاہیئے۔ کسی کی بڑائی اور برتری صرف اس بنیاد پر جانچی جاتی ہے کہ وہ اپنے خالق سے کتنا قریبی تعلق رکھتا ہے۔ جہاں معاشرتی اور قانونی رتبے کا سوال ہے خلیفہ کو عام لوگوں پر قطعاً کوئی برتری حاصل نہیں اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک جیسا مرتبہ رکھنے والے افراد میں سب سے اول ہے۔ یعنی FIRST AMONG EQUAL

انفرادی ذمہ داری اسلامی ریاست کا چھٹا اصول ہے۔ امت مسلمہ کے ارکان ہونے کی حیثیت سے

اولی الامر اور خلیفہ کی ذمہ داری دگنی ہے۔ ایک طرف تو وہ فرد ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہیں اور دوسری طرف ان اہل علماء کے سامنے جواب دہ ہیں جنہوں نے انہیں منتخب کرکے اقتدار کی کرسی پر بٹھایا ہے۔

ساتواں اصول شوریٰ یا باہمی مشاورت ہے۔ ریاست کے تمام معاملات صرف شوریٰ کے اصول اور منشار کے مطابق چلائے جانے چاہئیں۔ اسلام ہمیں شوریٰ کا کوئی خاص طریقہ یا ضابطہ کار اختیار کرنے پہ مجبور نہیں کرتا۔ یہ صرف شوریٰ کی روح ہے جسے برقرار رکھا جانا ضروری ہے۔ ہم آپس کے مشورے سے شوریٰ کی تنفیذ کے لئے کوئی بھی ایسا طریقہ یا ضابطہ کار اپنا سکتے ہیں جو ہمارے زمانے اور حالات کے مطابق موزوں ہو۔

تاہم قرآن مجید نے شوریٰ کے چند بنیادی اصول بیان کر دیئے ہیں تاکہ شوریٰ اور دیگر سیاسی اداروں کا کام انصاف اور حسن و خوبی کے ساتھ چلتا رہے۔ قرآن مجید نے یہ بات امت پر چھوڑ دی ہے کہ وہ ان اصولوں کے مطابق شوریٰ کا ڈھانچہ اور نظام شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے اور اس کی فراہم کردہ بنیادوں پر وضع کرے۔ اور اس ناگزیر نظام کو وضع کرنے میں امت کو رہنمائی، اجتہاد، اجماع، مصلحت اور عرف کے اصول سے حاصل کرنی ہوگی۔ ہم اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو دوسرے حصے میں کریں گے۔

اسلام ہمیں حکومت و فرمانروائی کی کوئی خاص صورت یا نظام اختیار کرنے پہ مجبور نہیں کرتا اسے صرف ریاست کی نوعیت سے دلچسپی ہے۔ اگر ریاست اسلامی ہے۔ اسلامی نظریئے پر یقین رکھتی ہے اور اسلامی قوانین کو نافذ کرتی ہے تو پھر باہمی مشورے سے اسلامی تعلیمات کے مطابق حکومت کا جو بھی نظام اپنایا جائے گا وہ اسلامی نظام حکومت ہوگا۔ یہ نظام وحدانی بھی ہو سکتا ہے اور وفاقی بھی، صدارتی یا پارلیمانی بھی۔ یہ تمام مختلف نظام کسی خاص ملک اور دور کی معاشرتی ضرورتوں جغرافیائی تقاضوں ثقافتی ماحول اور ایسے ہی دوسرے حالات کے مطابق اختیار کئے جاتے ہیں۔ تاہم اپنے لئے کوئی نظام حکومت تجویز کرتے وقت ہمیں محض نقالی سے بچتے ہوئے واقعیت پسندانہ اور تخلیقی رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔

اسلام کسی مخصوص نظام حکمرانی یا حکومت کے کسی خاص نام سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ نظام حکومت کا مسئلہ اور اسی طرح کی دیگر تفصیلات کسی نص۔ (قرآن یا سنت کا کوئی لفظی حکم) کے ذریعے ہم تک نہیں پہنچیں۔ یہ ایسے مسائل ہیں جن کا حل عقل تجربے، اجتہاد اور مصلحت کی روشنی میں کیا جانا مطلوب ہے اور جن کے بارے میں امت کو کھلا اختیار حاصل ہے جیسے موزوں اور مناسب سمجھے اختیار کرے اور ترقی دے۔ مسلمانوں کی ذہانت وفطانت اپنے تاریخی ارتقار کی کسی خاص سطح پر اسلام کی عمومی سکیم کے ڈھانچے کے اندر رہتے ہوئے جس نظام کو بھی ترقی دے گی وہ اتنا ہی اسلامی ہوگا جتنا کہ اجماع امت کی منظور کردہ کوئی بھی دوسری چیز۔ اس اصول کو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اپنے اس مشہور قول میں الفاظ کا جامہ پہنایا ہے جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کی نظر میں بھی اچھا ہے (یہ قول مولانا محمد تقی امینی نے اپنی کتاب فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر لاہور ۱۹۷۵ء میں صفحہ ۴۹ پر نقل کیا ہے)

جہاں تک سیاسی نظام کی تفصیلات کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اسلام زیادہ زور اصطلاحات کے بجائے روح اور اصولوں پر دیتا ہے۔ اصطلاحات اگر عمدہ کارکردگی اور معانی کے صحیح فہم میں رکاوٹ نہ بنیں تو ان کی چنداں اہمیت نہیں۔ مثال کے طور پر قرآن مجید مسلمان حکمرانوں کے لئے ملک (بادشاہ) کی اصطلاح استعمال کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا۔ وہ اچھے بادشاہوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔ اور برے بادشاہوں کا بھی۔ یہاں تک کہ اس نے ملک کا لفظ انبیاء کے لئے استعمال کیا ہے۔ (قرآن مجید ۱۲-۲-۷) وہ جہاں بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات یاد دلاتا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا بھی ذکر کرتا ہے کہ اس نے انہیں بادشاہ بنایا [۱۶]

اسلامی ریاست کی بنیادی خصوصیات

۱۔ اگر لفظ "حکمران" کے عمومی مفہوم کو سامنے رکھا جائے تو اسلامی ریاست کا سربراہ حکمران نہیں ہوتا بلکہ اس کے بجائے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین اور امت کا نمائندہ ہوتا ہے تاکہ اس مشن کو پورا

کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مجموعی طور پر پوری امت مسلمہ کے سپرد کیا گیا ہے۔

۲۔ اسلامی ریاست کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دین (زندگی کا وہ طریقہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے تجویز فرمایا) کو بدلے یا اس میں ترمیم کرے۔ اس کی حیثیت وکالت (AGENCY) کی ہے جو ایک متعین مقصد کے لئے معینہ حدود میں رہتے ہوئے کام کرتی ہے اسے قانوناً اور اخلاقاً یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ ان حدود کی خلاف ورزی کرے۔ چنانچہ خلیفہ یا اسلامی ریاست کا حکمران صرف ایک "وکیل عام" کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے سپرد یہ فرض ہے کہ خلافت قائم کرے۔

۳۔ اسلامی ریاست ایک ایسی ریاست ہے جس کی بنیاد اللہ اور اہل ایمان کے درمیان ایک معاہدے پر رکھی جاتی ہے۔ قرآن مجید نے اہل ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس معاہدے یا سمجھوتے کی تفصیلات مختلف مقامات پر بیان کی ہیں۔ کبھی وہ اس معاہدے کو میثاق کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ کبھی عہد کے لفظ سے اور کبھی وعدہ کے لفظ سے۔ وہ اسلامی ریاست جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی۔ وہ بھی ایک سمجھوتے کا نتیجہ تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مدینے کی نو تشکیل شدہ امت کے درمیان طے پایا تھا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مسلم فقہا کے نزدیک امامت بھی ایک معاہدہ ہے جو امام اور امت کے درمیان طے پاتا ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

۴۔ اسلامی ریاست خالصاً انسانی بنیادوں پر قائم کی جاتی ہے اور ہر قسم کے نسلی۔ لونی لسانی یا طبقاتی امتیازات سے پاک ہوتی ہے ہر فرد انسانی چند تقاضے پورے کرنے کے بعد اسلامی ریاست کا شہری بن سکتا ہے۔ چونکہ امت مسلمہ کسی قسم کے لسانی لونی یا طبقاتی امتیازات کو تسلیم نہیں کرتی اس لئے وہ ریاست جو اس امت سے تشکیل پذیر ہوئی ہو وہ بھی مذکورہ بالا امتیازات کو تسلیم نہیں کر سکتی۔

۵۔ اسلامی ریاست صحیح معنوں میں تعلیمی اور اخلاقی ریاست ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست نہ صرف یہ کہ اپنے شہریوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتی ہے بلکہ ان کی اخلاقی معیار کا اہم فریضہ بھی اپنے ذمہ لیتی ہے۔ اپنے شہریوں

کی ضروری تعلیم اور اخلاقی ترقی کی ضمانت فراہم کرنا اسلامی ریاست کے بنیادی فرائض میں سے ایک ہے۔

اسلامی ریاست کے فرائض اور مقاصد

اسلامی ریاست واحد ریاست ہے جو ایک متعین مقصد رکھتی ہے، ہر ابہام سے پاک نظریہ اور انتہائی متوازن دستور العمل۔ اس کے پیش نظر مثبت اور منفی دونوں طرح کے مقاصد ہیں جنہیں حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسلامی ریاست کے فرائض اور مقاصد مختصر طور پر درج ذیل ہیں۔

۱۔ ریاستی سطح پہ اسلامی عبادات کی تنظیم و ترویج۔

۲۔ اسلام کے اقتصادی اور مالی نظاموں کا نفاذ جن کی بنیاد دولت کی منصفانہ تقسیم۔ سود کے خاتمے اور دولت کے غیر قانونی ارتکاز کی ممانعت پہ رکھی گئی ہے۔

۳۔ فرد کی طرف فرد کے معاشی استحصال کا خاتمہ۔

۴۔ اخلاقی اور تہذیبی اقدار کی ترقی اور ایسا ماحول پیدا کرنا جس میں نیکی پھلے پھولے اور شرافت و شائستگی عام ہو۔

۵۔ تمام بد اخلاقیوں اور معاشرتی و اخلاقی برائیوں کا خاتمہ۔ ایسا ماحول پیدا کرنا جس میں برائیاں اور بدیاں خود بخود مرجھا کر ختم ہو جائیں۔

۶۔ بین الاقوامی پیمانے پر اسلامی نظریے کی تبلیغ و اشاعت۔

۷۔ علمی اور ذہنی کام کے لئے سہولتوں کی فراہمی تاکہ اسلام کی دائمی انسانی اور عقلی خصوصیت کو سامنے لایا جاسکے۔

۸۔ دنیا میں ہر اس فرد اور قوم کی مدد کرنا جو کسی بھی قسم کی غلامی، ظلم اور استحصال سے نجات پانے کی کوشش کر رہی ہو۔

۹۔ تعلیمی نظام کو اس طرح مرتب کرنا کہ ہر شہری کو اس کے عقیدے رنگ نسل یا جنس کا لحاظ کئے بغیر ضروری تعلیم کی ضمانت دی جا سکے۔ تعلیمی نظام کو یہ ضمانت بھی مہیا کرنی چاہیئے۔ کہ ملک میں ایسے اہل علم و دانش پیدا ہوں جو مختلف علمی میدانوں میں کام کی خصوصی لیاقت اور مختلف فنون و تعلیمات میں ایسی مہارت رکھتے ہوں کہ وہ دارالاسلام کو ان تمام معاملات میں خود کفیل بنا سکیں اور مسلمان غیروں کے محتاج اور دست نگر نہ رہیں۔ بعض مسلمان مفکرین مثلاً امام غزالی اور علامہ ابن تیمیہؒ نے فنی تعلیم کو فرائض کفایہ یعنی اجتماعی مذہبی فرائض کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ تعلیمی نظام کو ایسے فقہا بھی پیدا کرنے چاہئیں جو اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل ہوں اور قرآنی علوم و معارف نیز اسلامی نظریئے کا گہرا شعور اور فہم رکھتے ہوں تاکہ وہ ریاست کی نظریاتی سالمیت کا تحفظ کر سکیں اور شریعت کو مسلم معاشرے کی زندہ طاقت کی حیثیت سے برابر برقرار رکھنے میں مددگار ہوں۔

۱۰۔ دارالاسلام (اسلامی ریاست کے ممالک محروسہ) کو داخلی اور بیرونی حملے سے بچانا۔

۱۱۔ ریاست کو فوجی نقطۂ نظر سے پوری طرح تیار اور مسلح کرنا تاکہ ریاست اور مسلم افراد کی آزادی وقار اور شہرت کو درپیش ہر چیلنج کا مقابلہ کیا جا سکے۔

۱۲۔ قرآن و سنت کے لیے تمام احکام و اوامر کو نافذ کرنا جن کا ریاست کے ذریعے نافذ کیا جانا ضروری کار ہو۔

۱۳۔ اہل ذمہ کی جان مال آبرو اور وقار کی مکمل طور پر حفاظت کرنے کے لئے پوری پوری کوششیں بروئے کار لانا۔

۱۴۔ دنیا میں امن اور خوشحالی کی علم برداری کرنا اور دوسری اقوام کو بھی امن و خوشحالی کی طرف دعوت دینا۔ دنیا میں قیام و بقائے امن کے لئے جو تحریک چل رہی ہو اس کی مدد کرنا۔

۱۵۔ دنیا میں نیکی اور بھلائی کی ترویج اور بدی کے خاتمے کے لئے ہر فرد، گروہ، جماعت، تنظیم، قوم،

ملک کے ساتھ تعاون کرنا۔

۱۶۔ دنیا سے ہر قسم کی ناانصافی ظلم اذیت رسانی اور تشدد و استبداد کے خاتمے کے لئے ہر ممکن طریقے سے مسلسل جدوجہد کرنا اور ان تمام لوگوں کا ہاتھ بٹانا جو اس مقصد کے لئے کام کر رہے ہوں۔

۱۷۔ اور سب سے آخر میں دنیا کی اقوام اور لوگوں پر حق کا گواہ بننا۔ اس میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اسلامی ریاست دنیا میں ہر ایک کے سامنے یہ امر واضح کر دے کہ اسلامی نظریہ کتنا مفید عقلی خصوصیات کا حامل انصاف پر مبنی۔ مساوات کا داعی اور صحیح ہے تاکہ قیامت کے دن وہ کوئی عذر پیش نہ کر سکیں۔

(جاری)

حوالہ جات

۱۔ سورۃ البقرہ۔ آیت ۱۴۳

۲۔ قرآن ۲۔ ۱۲۸

۳۔ قرآن ۳۔ ۱۰۴

۴۔ سورۃ الاعراف۔ ۱۵۹۔ الرعد ۳۰ النحل ۳۹

۵۔ سورہ یونس آیت ۴۷

۶۔ الانبیاء ۹۲۔ المومنون ۵۲

۷۔ دیکھئے الماوردی الاحکام السلطانیہ صفحات اور الاحکام السلطانیہ مصنفہ ابو یعلیٰ صفحہ ۱۹۔ اس سلسلے میں اور بھی بے شمار حوالے دیئے جا سکتے ہیں۔

۸۔ قرآن ۔ ۲۱۔۳۰

۹۔ قرآن ۔ ۲ ۔ ۳۰

۱۰ - قرآن - ۹۷ - ۲

۱۱ - قرآن ۳۳ - ۷۲

۱۲ - قرآن ۲-۳۱-۳۲-۳۸ ،قرآن ۷-۲۰۰-۳۸ ،قرآن ۷-۲۰،قرآن ۲۰-۱۱۵-۱۲۷

۱۳ - قرآن - ۱۰-۱۴

۱۴ - ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ طبع لاہور ۱۹۷۶ء ج اول ص ۲

۱۵ - حسن ابراہیم حسن ما النظم الاسلامیہ ص ۲۰

۱۶ - قرآن- ۲-۵